امور شرعیہ میں وکالت کا دائرہ کار

Power of Attorney: An Analysis of its Scope in Islamic Matters

☆ ڈاکٹر رشید احمد

☆☆ ڈاکٹر حفاظت اللہ

☆☆☆ ڈاکٹر حسین فاروق

ABSTRACT

According to Islamic jurisprudence, power of attorney is a lawful provision. It is very much apparent in matters like marriage, divorce, sale and purchase transaction, trade partnership, and criminal cases. In these situations someone else other than the person concerned may be appointed as representative or agent to act on behalf of the original person. There are some controversies among Muslim jurists surrounding the issue of power of attorney or that of representation. This article is devoted to discuss the various stands of the jurists and their arguments concerning the scope of attorney and agent in the above-mentioned legal areas.

واضح رہے کہ فقہ اور قانون میں ایجابی امور کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

اولا۔ وہ ایجابی امور جو شارع کی نظر میں سراسر مکلّف کی مصلحت پر منتج ہوتی ہیں اور اس مصلحت کا حصول تب تک متحقق نہیں ہوگا جب تک مکلّف اصالۃً ان کو سرانجام دے کر بار ادائیگی سے سبکدوش نہ ہو۔ لہٰذا ان امور کی انجام دہی کو مکلّف کے ساتھ ہی لازم گردانا گیا ہے اور برآوری کے لئے ان کے انتقال الی الغیر کو ناقابل تاثیر قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا انتقال الی الغیر کی عدم تاثیر کے تحت اس میں نیابت اور وکالت کو بھی ناقابل

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور۔

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور (چارٹرڈ یونیورسٹی

☆☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور (چارٹرڈ یونیورسٹی)

اعتبار مانا جائیگا کہ مؤخرالذکر مکلّف اصل سے مکلّف غیر کی طرف بار ادائیگی کے انتقال کے جواز کا تقاضہ کرتی ہے مثلاً عقائد وایمانیات کہ اس کا منبع صرف قلب مکلّف ہی ہے اور قانون کے لحاظ سے یہ اقرار کے زمرہ میں ہے۔ چونکہ اقرار کے اثرات صرف مقر کی ذات تک محدود ہوتی ہیں۔لہٰذا جس طرح اقرار علی الغیر اثر نہیں رکھتا اسی طرح انتقال اقرار الی الغیر بھی غیر موثر ہوگا اور نتیجۃً نیابت وتوکیل فی العقائد بھی نا قابل ٹھہرے گی۔یہی صورت ادائیگی نماز، ادائیگی صوم کی بھی ہے۔جہاں ان امور کا محل صرف شخص مکلّف ہے وہی اس کا مسئول ہے اور جن کی ادائیگی اسکی ذات ہی کے ساتھ لازم ہوتی ہے اور یہ دوسرے کی طرف غیر متعدی ہے۔(الا یہ کہ ان کی ادائیگی بوجوہ اصل سے بدل کی طرف منتقل ہو تو ادائیگی فدیہ، تاوان اور ادائیگی دیت میں بار ادائیگی کا غیر کی طرف منتقل کرنا جائز ہوگا اور صرف اس حد تک اس میں وکالت بھی جائز ہوگی) وعلیٰ ھذ القیاس بار قسم کہ اس کا تعلق احکام کے اس زمرہ سے ہے اور ادا اور گریز دونوں کے لحاظ سے قسم مکلّف کے ساتھ لازم وملزوم ہے اور نا قابل سرایت الی الغیر بصورت ادا یا بصورت گریز وہی اس کے مثبت اور منفی اثرات کا محل ہے اور اگر کہیں قسم کی ادائیگی یا قسم کا اثر دوسرے پر پڑے بھی تو یہ محض ایک استثنائی عمل اور تاثیر بالتبع متصور ہوگا۔

ثانیاً: وہ ایجابی امور جن میں شارع کا مقصد بصورت ادائیگی حصول مصلحت غیر یا استیفائے حق غیر ہوتا ہے اس میں ادائیگی امر مقصود ہوتی ہے۔گو مکلّف سے اس قسم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو جاتا ہے لیکن یہ ادائیگی مکلّف کے ساتھ لازم نہیں ہوتی کہ شخص غیر کی طرف متعدی نہ ہو بلکہ یہ متعدی ہوتا ہے اور مکلّف چاہے تو اسکو اپنے ہم مثل کی طرف منتقل کرے۔مثلاً بار قرض اور بار امانت کی ادائیگی یا مال مغصوبہ کی واگزاری کہ ان تینوں میں مکلّف کے بجائے علی الترتیب قرضدار، صاحب امانت اور صاحب شئے مغصوبہ کی مصلحت پناہ ہے۔لہذا یہ ادائیگی خواہ مکلّف کے ذریعہ ہو یا اسکے وکیل کی طرف سے دونوں صورتوں میں مصلحت غیر میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا جبکہ عدم تغیر کا تحقق اصل اور تبع دونوں کے تصرف میں مماثلت پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔

ثالثاً: وہ ایجابی امور جو دوسری مصالح یعنی بار ادائیگی اور اسکے ذریعے مصلحت مکلّف دونوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور دونوں ہی مقصود ہوتی ہیں، ان میں ادائیگی کا انتقال الی الغیر فقہاء کے نزدیک محل اختلاف رہا ہے۔ مثلاً فریضہ حج، کہ اس کی ادائیگی بھی مقصود ہے اور اسکے ذریعے مصلحت مکلّف بھی، تو مالکی فقہاء کے نزدیک حج نیابت قبول نہیں کرتی کیونکہ حج میں تأدیب اور تہذیب نفس کا پہلو بھی شامل ہے اس لئے یہ نا قابل انتقال ہے اور ادائیگی کے ساتھ ملحق ہے اسکے برعکس شافعی فقہاء کے نزدیک چونکہ فریضہ حج میں انفاق کا پہلو بھی نمایاں ہے

اس لئے اس پر دوسری صورت کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کے تحت اس میں انتقال الی الغیر جائز ہے (۱)۔

امور ایجابیہ کی مذکورہ درجہ بندی اور اس کی مختلف صورتیں ہی اس بحث کا سبب بنی ہیں۔ چنانچہ اول الذکر صورت جو عقائد اور خالصتاً بدنی عبادات پر مشتمل ہے اور جس میں تحقیق طلب امر مصلحت مکلّف ہے۔ ان میں انتقال الی الغیر نا قابل اعتبار ہے۔ ثانی الذکر صورت میں تحقیق قلب امر چونکہ تحقیق ادائیگی اور مصلحت غیر ہے اس لئے اس صورت میں انتقال الی الغیر قابل اعتبار ہے۔ رہی تیسری صورت جو دوسری مصلحت کا حامل ہے۔ شافعی فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ جہاں مالکی فقہاء کے نزدیک قابل ترجیح امر تہذیب و تادیب مکلّف ہے لہذا ان کے نزدیک یہ شخص مکلّف کے ساتھ لازم ہے جبکہ شافعی فقہاء کے نزدیک اس میں قابل ترجیح انفاق ہے اور یہ ادائیگی ہے جو غیر کی طرف سے تو بھی جائز ہے۔

۲۔ عقد نکاح (۲) میں وکالت کا دائرہ کار:

نکاح کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کو ایک عمرانی معاہدہ (social contract) کی نظر سے دیکھنا اور دوسری یہ کہ اس کو عبادت کی نظر سے دیکھنا اور یہ اس لئے کہ نکاح صرف ایک عمرانی معاہدہ نہیں ہے بلکہ یہ عبادت بھی ہے کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ (۳)۔

اور تم میں جو مرد و عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمھارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کا بھی نکاح کر دیا کرو (۴)۔

جبکہ حدیث میں ہے کہ

"عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا معشر الشباب: من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه با لصوم فانّه له وجاء" (۵)۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: کہ اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو طاقت رکھتے ہیں وہ نکاح کریں اس لئے کہ نکاح آنکھوں کو نیچا کر دیتا ہے اور شرمگاہ کو بچاتا ہے اور جو خرچ کی

طاقت نہ رکھے وہ روزہ رکھے کہ اس کو خصی بنائے گا یعنی شہوت توڑ ڈالے گا''۔

جبکہ نکاح ایک عمرانی معاہدہ اس لئے ہے کہ یہ زوجین کے درمیان دوسرے معاہدات کی طرح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور ایجاب اور قبول جانبین خود بھی کر سکتے ہیں۔ اب اسی کے متعلقہ دو تنقیح طلب امور ہیں۔

ایک یہ کہ عقد وکالت میں وکالت کی حیثیت اور دوسرا یہ کہ عقد نکاح میں وکیل کا دائرہ کار۔

تو عقد نکاح میں ہر عاقل وبالغ مرد عورت اس کے مجاز ہیں کہ اپنا نکاح خود کرنے کی بجائے کسی اہل شخص کو وکیل بنائیں اور نکاح سے متعلق اسے اپنے اختیارات سونپ دیں (۶)۔

شرعاً اس قسم کی وکالت جائز ہوگی۔ عقد نکاح میں وکالت عمومی بھی ہو سکتی ہے کہ عاقل وبالغ، مرد وعورت کسی کو اپنا وکیل بنا کر یہ کہے کہ اسے اختیار ہے کہ اس کا نکاح جہاں اور جتنے مہر میں وہ چاہے کر دے۔

جبکہ یہ وکالت خصوصی بھی ہو سکتی ہے کہ جیسے کسی دوسرے کو یہ کہنا کہ اسے اختیار ہے کہ اس کا نکاح فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر کرو۔ اس طرح یہ بھی جائز ہوگا کہ ایک ہی شخص مرد وعورت دونوں کی طرف سے وکیل بنا جائے (۷)۔

وکالت عمومی کی صورت میں وکیل ایک مخصوص دائرہ کار سے نہیں نکلے گا مثلاً اگر وکیل نے مہر مثل سے بہت زیادہ یا بہت کم مقدار مقرر کی جو کسی بھی لحاظ سے جانبین کی حیثیت کی مساوی نہ ہو تو اس صورت میں اس کا انعقاد لازمی نہیں ہوگا الا یہ کہ جانبین اس پر راضی ہو جائے (۸)۔

II۔　وقوع طلاق بذریعہ وکیل:

فقہاء کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جس طرح شوہر خود طلاق دے سکتا ہے اس طرح وہ اپنے مقرر کردہ وکیل کے ذریعے بھی دلوا سکتا ہے۔ البتہ وقوع طلاق کے لئے صریح طلاق کی نسبت اپنی زوجہ کی طرف کرنا شرط ہے۔ وکیل طلاق کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو اور وکیل کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اسے اختیار صراحتاً دیا گیا ہو (۹)۔

III۔　بیع وشراء (Sale and purchase) میں وکالت کا دائرہ کار:

بیع میں توکیل دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ توکیل مطلق ہو اور دوسری یہ کہ یہ مقید ہو۔ فقہاء کا اس

پر اجماع ہے کہ اگر توکیل مقید ہے تو اس قید کا لحاظ رکھنا لازمی ہوگا(۱۰)۔

اور اگر وکیل نے لگائی گئی قید کی مخالفت کی تو اس صورت میں نفاذ بیع نہیں ہوگا الا یہ کہ موکل اس کی اجازت دیدے یا یہ کہ وکیل نے اگر یہ مخالفت اصیل کے فائدہ کے لئے کیا ہو تب تو اس کا نفاذ جائز ہوگا(۱۱)۔

اور اگر وکیل نے بیع میں اصیل کی لگائی گئی قید کی مخالفت کر کے مال مشتری کے سپرد کیا اور وہ مال مشتری کے ہاں ضائع ہوگیا تو وکیل قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ موکل کی مخالفت کر کے وہ غاصب بن گیا۔ مثلاً موکل نے اس کو ایک ہزار پر فروخت کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا اور اس نے اس مال کو سات سو پر فروخت کیا تو اس صورت میں وکیل غاصب بن گیا اور وہ موکل کے لئے پوری قیمت دینے کا ضامن ہوگا(۱۲)۔

البتہ اگر موکل نے اس کو بیع مال کے لئے مطلق وکیل مقرر کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس اطلاق کا لحاظ رکھا جائے گا چاہے وکیل مال کو کم قیمت پر فروخت کرے یا زیادہ پر۔ جبکہ صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس وکیل کو اس حد تک بیع مال کی اجازت ہے کہ غبن (Deception)(۱۳) صرف اتنا ہو جو کہ لوگوں کے درمیان متعارف ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ لفظ مطلق میں اصل یہی ہے کہ اس کو اس کے اطلاق پر جاری کیا جائے اور بغیر کسی دلیل کے اسکی تقیید جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مال کی قیمت ہی اس بیع سے مقصود ہو چاہے غبن فاحش کے ساتھ کیوں نہ ہو(۱۴)۔

جبکہ صاحبینؒ کا استدلال یہ ہے کہ مطلق بیع سے مراد بیع متعارف ہوگا اور اطلاق توکیل بالشراء کی طرف عرف سے مقید کیا جائیگا اور فتوی بھی صاحبینؒ کے قول پر ہے(۱۵)۔

شافعی، مالکی اور حنفی فقہاء کا مذہب بھی صاحبینؒ کے مذہب کی طرح ہے۔ ان کے نزیک بھی جب ایک شخص کو مطلق وکیل بنایا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ثمن مثل کے علاوہ وہ مال کو فروخت کرے۔ البتہ اگر غبن اتنی کم مقدار میں ہو کہ جو عام لوگوں کے درمیان متعارف ہو تو اسکے ساتھ بیع کا نفاذ ہوگا ورنہ نہیں۔ جس طرح اگر غبن فاحش کی صورت میں بیع موکل کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے(۱۶)۔ اسی طرح شراء کی صورت میں بھی اگر وکالت مقید ہے تو اس پر اجماع ہے کہ اس قید کا لحاظ رکھا جائے گا چاہے اس قید کا تعلق مشتری سے ہو یا ثمن سے اور اگر وکیل نے اس قید کی مخالفت کی تو وہ ضامن ہوگا۔ البتہ اگر یہ مخالفت موکل کے فائدہ کے لئے ہو تو اس صورت میں یہ موکل پر لازم ہوگی(۱۷)۔

غبن یسیر کی صورت میں شراء موکل پر لازم ہوگی اور غبن فاحش کی صورت میں وکیل پر۔ مثلاً موکل

نے کہا کہ میرے لئے ایک ہزار پر گھوڑا خرید و اور گھوڑے کی بازاری قیمت بھی اتنی ہی تھی لیکن وکیل نے ایک ہزار سے کچھ زیادہ یا کچھ کم پر خریدا جو ایسی کمی بیشی ہو جو عام لوگوں کے درمیان متعارف ہو تو یہ خریداری مؤکل پر لازم ہوگی اور اگر یہ نقصان اتنا زیادہ ہو کہ عام لوگوں کے درمیان اس قسم کی مقدار کا غبن متعارف نہ ہو تو اس صورت میں وکیل پر لازم ہوگی (۱۸)۔

مالکی فقہاء کے نزدیک ایک غبن فاحش کی صورت میں مؤکل مخیرّ ہے جبکہ غبن یسیر کی صورت میں نہیں (۱۹)۔ جبکہ شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ وکیل کے لئے جائز نہیں کہ ثمن مثل سے اتنی زیادتی پر مؤکل کی اجازت کے بغیر خریداری کرے جو عام لوگوں کے درمیان متعارف نہ ہو۔ کیونکہ وکیل کو اجازت نہیں ہے کہ وہ مؤکل کو نقصان پہنچائے کیونکہ وہ مؤکل کی خیر خواہی کے لئے مقرر ہوا ہے (۲۰)۔

اسی طرح جمہور فقہاء کے نزدیک اگر وکیل نے مبیعہ کی قیمت اپنی طرف سے ادا کر دی تو اس صورت میں وکیل کے لئے جائز ہے کہ قیمت کی وصولی تک مبیعہ کو اپنے پاس روکے رکھے (۲۱)۔ لیکن حنفی فقہاء میں سے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ وکیل کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مبیعہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے کیونکہ وکیل مؤکل کا نائب ہے اور اس کا ہاتھ اور قبضہ گویا کہ مؤکل کا ہاتھ اور قبضہ ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مؤکل اس کا مالک بنا ہے لیکن یہ کام بذریعہ وکیل ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان معاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قیمت ادا کرے (۲۲)۔ اسی طرح فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مؤکل نے اس کو ایک معین چیز کی خریداری کے لئے وکیل بنایا اور یہ وکالت مطلق تھی تو وکیل پر لازم ہے کہ وہ عیب سے پاک چیز کی خریداری کرے۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عیب کو جانتے ہوئے بھی خریداری کرے۔ اور جب اس کو عیب معلوم ہو جائے تو پھر اس کو مال واپس کرنا جائز ہے (۲۳)۔ اور مذاہب اربعہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ توکیل کی رو سے وکیل کے ہاتھ میں مقبوضہ چیز چاہے بیع وشراء کی صورت میں ہو یا قبض واداۓ قرض کے لئے ہر حال میں امانت کی طرح ہے تو ودیعہ کی صورت میں جہاں جہاں وہ ضامن بن جاتا ہے اور جہاں جہاں بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی وکیل کے ساتھ ایسا ہی کیا جائیگا (۲۴)۔

بیع وشراء میں توکیل الوکیل کا حق:

کبھی کبھار وکیل کو اپنی جگہ کسی دوسرے کو وکیل بنانے کی ضرورت پڑتی ہے تو فقہاء کے نزدیک مؤکل کی اجازت کے بغیر ایسا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مؤکل رائے تجربہ اور امانت وغیرہ کو دیکھ کر اس کو وکیل

بناتا ہے (۲۵)۔ البتہ فقہاء نے اس سے کچھ صورتیں مستثنیٰ کیے ہیں۔

۱۔ مؤکل فیہ کوئی ایسی چیز ہو جس کی فروخت یا خریداری بذات خود وکیل کی شایاں شان نہ ہو۔ مثلاً کسی جانور کا بازار میں فروخت کرنا (۲۶)۔

۲۔ مؤکل فیہ مقدار میں اتنی زیادہ ہو کہ وکیل بغیر کسی دوسرے کی مدد کے، خود نہ کرسکتا ہو (۲۷)

۳۔ مؤکل فیہ کی فروخت یا خریداری کے لئے کسی خاص مہارت کی ضرورت ہو اور وکیل میں اس کی اہلیت نہ ہو (۲۸)۔

۱۷۔ شریعت کی رو سے اجارہ میں وکیل کا تصرف:

دوسرے عقود (Contracts) کی طرح اجارہ میں بھی شرعاً وکالت جائز ہے۔ لیکن ان اشیاء کا استجارہ (اجارہ پر لینا) جائز نہیں جن میں بقاء عین کے بغیر ان سے استفادہ ممکن نہ ہو کیونکہ اجارہ کی تعریف یہ ہے کہ

"الاجارة عقد يفيد تمليك منفعة معلومة مقصودة من العين المستاجرة بعوض" (۲۹)۔

"یعنی اجارہ ایک ایسا عقد ہے کہ جس میں عین مستاجرہ (leased materiel) سے بعوض ایک ایسی منفعت کا حصول ہے جو معلوم بھی ہو اور مقصود بھی"۔

عقد اجارہ میں وکالت یا تو مؤجر کی طرف سے ہوگی۔ یا مستاجر کی طرف سے بہر صورت اجارہ میں وکیل کا تصرف وکیل بالشراء کے تصرف کے طرح ہوگا اور وکیل بالاجارہ کی لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مؤکل کے حکم کے خلاف کرے اور اگر اس نے مخالفت کی تو اس عقد کا نفاذ بجائے مؤکل کے وکیل پر ہوگا (۳۰)۔ اس طرح اگر مؤکل نے اجرت (Wage) یا ثمن (Price) کا تعین نہیں کیا ہے تو وکیل کے لئے ایسے غبن (Deception) کے ساتھ اجارہ کرنا جائز نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان متعارف نہ ہو (۳۱)۔

اسی طرح اگر مؤکل نے کوئی قید لگا رکھا ہو یا وکالہ بالاجارہ خاصہ ہو تو اس صورت میں بھی وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ لگائی گئی قید کی مخالفت کرے۔ اور اگر وکالت مطلقہ یا عامہ ہو تو اس صورت میں وکیل کا تصرف عرف اور عادت سے مقید ہوگی (۳۲)۔

اس لئے وکیل بالاجارہ کے لئے ان امور کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

V۔ شراکت[۳۳] (Partnership) میں وکالت:

شراکت میں شرعاً توکیل جائز ہے۔ ہر شریک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وکیل مقرر کرے کیونکہ بعض اوقات وکیل مقرر کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح مضاربت[۳۴] میں بھی مضارب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وکیل کا تقرر کرے کیونکہ رب المال جب اس کو اپنا مال دیتا ہے تو اس وجہ سے وہ اس کا اذن دینے والا بھی بن جاتا ہے کہ جو کام وہ خود نہیں کرسکتا اس لئے وکیل مقرر کرے[۳۵]۔

مضاربت میں مضارب (وکیل) کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ثمن مثل سے کم قیمت پر اس چیز کو فروخت کرے یا اسے غبن کے ساتھ خریداری کرے جو تجار کے ہاں متعارف نہ ہو۔ اور اگر وکیل نے ایسا کیا تو امام احمدؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے لیکن نقصان کا ضامن وکیل ہوگا۔ جبکہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس قسم کی بیع سرے سے ہی باطل ہے۔

اسی طرح جب مضارب مال مضاربہ کی فروخت کے لئے وکیل مقرر کرے اور پھر رب المال مضارب کو بیع سے منع کرے اور مضاربت کا عقد ٹوٹ جائے لیکن وکیل کو اس ممانعت کا علم نہ ہو اور وہ اس مال کو فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہوگی۔

اس طرح رب المال کی موت کے بعد بھی وکیل کی بیع جائز ہوگی لیکن اگر مضارب نے اس کو کسی چیز کی خریداری کے لئے مثلاً ایک ہزار پر وکیل مقرر کیا۔ ابھی اس نے یہ مال خرچ نہیں کیا ہے اور رب المال فوت ہوگیا تو چونکہ مال نقد تھا اور خرچ نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں عقد مضاربت فسخ ہوگیا اور چونکہ مضارب کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ وہ اس مال کو خرچ کرے تو یہ حق وکیل کا بھی نہیں رہا۔ تو اس صورت میں وکیل جو بھی خریداری کریگا تو یہ مضارب کے لئے ہوگا نہ کہ رب المال کے لئے۔ اور رب المال کی موت گویا ایسی ہے جیسا کہ اس سے مضارب نے اپنے مال کو واپس لے لیا۔ اس لئے اس صورت میں وکیل مضارب کے لئے مشتری بن جاتا ہے[۳۶]۔

VI حدود اور قصاص میں وکالت کا دائرہ کار:

اگر شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو حدود کے نفاذ کے لئے یا تو دعوی دائر کرنے کی ضرورت ہوگی جیسا کہ حد سرقہ اور حد قذف، کہ یہ بغیر دعوی دائر کرنے کے ان کا نفاذ نہیں ہوتا اور یا یہ کہ ان کے نفاذ کے لئے کسی

دعوی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ریاست اپنے طور پر ان کے اثبات کے بعد ان کو جاری کرسکتی ہیں جیسا کہ حد زنا اور حد شراب نوشی، مؤخر الذکر کے بارے میں حنفی فقہاء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان میں توکیل جائز نہیں ہے کیونکہ قاضی کے ہاں ان کا اثبات یا تو گواہوں سے ہوگا اور یا اقرار سے۔ اس لئے ان میں کسی قسم کی توکیل کی ضرورت نہیں ہے۔

شافعی فقہاء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جتنا ہو سکے حدود کو ساقط کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ادراؤا الحدود من المسلمين مااستطعتم"(۳۷)

''کہ جتنا آپ سے ہو سکے مسلمانوں سے حدود ساقط کرو''

جبکہ توکیل میں خواہ مخواہ حد کا اثبات ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس میں توکیل جائز نہیں ہے (۳۸)۔

زیر نظر مسئلہ میں حنفی فقہاء کا نقطہ نظر مختلف ہے ان کے نزدیک حدود شرعیہ مثلاً حد سرقہ اور حد زنا میں بھی توکیل جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے انیس کو حد زنا کے اثبات اور نفاذ دونوں کا وکیل مقرر کیا تھا (۳۹)۔

اول الذکر یعنی حدود اور قصاص کے مقدمات کے لئے دعوی دائر کرنا ضروری ہوتا ہے اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان میں توکیل جائز ہے اور یہی رائے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ حق العبد میں سے ہے اس لئے ان میں توکیل جائز ہے (۴۰)۔

استیفاء الحدود یعنی نفاذ میں وکالت:

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حاکم کے لئے حدود اللہ اور قصاص کے نفاذ میں توکیل جائز ہے (۴۱)۔

البتہ نفاذ کی مجلس سے مؤکل کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ان حدود میں جن کے قیام کے لئے اقامت دعوی کی ضرورت ہو مثلاً حد قذف اور حد سرقہ، تو اگر مؤکل اور اس کا وکیل دونوں حاضر ہوں تو اس صورت میں نفاذ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ ہر شخص مختلف وجوہات جیسے ضعف قلب یا عدم تجربہ وغیرہ کی وجہ سے حد کا نفاذ نہیں کرسکتا۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حد قذف اور حد سرقہ کے اثبات اور نفاذ دونوں میں توکیل جائز نہیں ہے۔

کیونکہ حدود جن کا تعلق حدود اللہ میں سے ہوں اور چاہے ان کے دعوی کی ضرورت ہو یا نہ ہو، یہ تو ولی الامر کا کام ہے کہ ان کا نفاذ کرے (۴۲)۔

اور اگر مقذوف اور مسروق منہ نفاذ کے وقت غائب ہو تو حنفی فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

ان میں بعض جواز کے قائل ہیں کیونکہ عدم جواز اس وقت ہوتا جب ان میں معافی اور صلح کی گنجائش ہوتی جن کا احتمال یہاں نہیں ہے کیونکہ معاملہ اب قاضی تک پہنچ چکا ہے اور اب یہ صرف حق اللہ بن گیا، تو اگر مسروق منہ اس کو معاف بھی کرے پھر بھی یہ قابل التفات نہیں۔

جبکہ بعض دوسروں کا قول ہے جو کہ حنفیہ کے ہاں راجح ہے کہ اس صورت میں نفاذ کے لئے توکیل جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شبہات کی وجہ سے حدود رفع ہو جاتے ہیں اور مؤکل کا غائب ہونا شبہ ہے تو مؤکل اگرچہ معافی دینے اور صلح کا مالک نہیں ہے لیکن اگر وہ نفاذ کے وقت حاضر ہو تو ہو سکتا ہے کہ قاذف کی بات کی تصدیق کرے یا مسروق منہ سرے سے دعوی ساقط کرے اور حد کا نفاذ شبہ کی وجہ سے تو جائز نہیں ہے (۴۳)۔

VII۔ مقدمات تعزیر میں وکالت:

تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مقدمات تعزیر کے اثبات اور نفاذ دونوں میں توکیل جائز ہے (۴۴)۔

اور وکیل کے لئے ان کا نفاذ بھی جائز چاہے مؤکل غائب ہو یا حاضر کیونکہ تعزیر بندے کا حق ہے اور حدود کی طرح شبہات کی وجہ سے ساقط نہیں ہو جاتا (۴۵)۔

VIII۔ قصاص کے نفاذ میں توکیل:

قصاص کے نفاذ میں اگر مؤکل جبکہ وہ ولی الدم ہو، حاضر ہو تو توکیل جائز ہوگی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مؤکل خود نفاذ پر قادر نہ ہو اور مؤکل کے غائب ہونے کی صورت میں توکیل جائز نہیں ہوگی کیونکہ حاضر ہونے کی صورت میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ قاتل کو معاف کرے۔ تو اس قیام شبہ کی وجہ سے قصاص کا نفاذ جائز نہیں ہے یہی مذہب حنفیہ کا ہے (۴۶)۔

جبکہ مالکی، حنبلی کے ظاہر مذہب اور شافعی فقہاء کے نزدیک حدود اور قصاص میں چاہے مؤکل، حاضر ہو یا غائب، وکالت جائز ہے (۴۷)۔ جبکہ حنبلی فقہاء میں سے بعض کا قول حنفی فقہاء کی طرح ہے کہ قصاص اور حد قذف کا نفاذ مؤکل کے غائب ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ لیکن مذہب حنبلی میں پہلی رائے ہی راجح ہے (۴۸)۔

حوالہ جات

۱۔ القرافی، ابی العباس احمد بن ادریس، الإمام: الفروق (دار الکتب العلمیۃ) ج ۲، ص ۳، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ص ۳/ ۳۸

۲۔ نکاح: لغۃ میں نکاح جمع کرنے اور وطی کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں نکاح ایک ایسا شرعی معاہدہ ہے جس کی وجہ سے مرد اور عورت کا ایک دوسرے سے استمتاع (فائدہ اٹھانا) جائز ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے: معجم لغۃ الفقہاء، مادہ نکاح۔

۳۔ النور: ۲۴: ۳۲

۴۔ کشف القرآن، ج ۲، ص ۵۶۴

۵۔ صحیح المسلم، کتاب النکاح، باب، استحباب النکاح لمن استطاع سبیلاً۔

۶۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۲۰

فتاوی عالمگیری، کتاب الوکالۃ، ج ۳، ص ۶۱۰

۷۔ ایضاً۔ اور قاسمی، مجاہد الاسلام، اسلام کے عائلی قوانین (کراچی، ادارہ القرآن، ۲۰۰۲ء)، ۸۴ اور ۹۴

۸۔ فتاوی قاضی خان، فصل فی التوکیل بالنکاح والطلاق، والعتاق علی ہامش الہندیۃ ۳/ ۴۶

اسلام کے عائلی قوانین دفعات ۱۰۱ تا ۱۰۳، ص ۸۷

۹۔ فتاوی عالمگیری کتاب الوکالۃ، ج ۳، ص ۶۱۱،

مجموعہ قوانین اسلام، ج ۲، ص ۳۸۳

۱۰۔ بدائع الصنائع، ۶/ ۲۸

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ فتاوی عالمگیری ۳/ ۸۸

شرح المجلۃ، ج ۴، ص ۴۸۶

۱۳۔ فقہاء کے نزدیک غبن (Deception) کی دو قسمیں ہیں۔ غبن فاحش، اور غبن یسیر

غبن فاحش سے مراد وہ غبن ہے جو کہ قیمت کے اندازہ لگانے والوں کے اندازوں کے

مطابق نہ ہو۔

جبکہ غبن یسیر (Over reachig deception) سے مراد وہ غبن ہے جو کہ قیمت کے اندازہ لگانے والوں کے اندازوں کے مطابق ہو۔

ملاحظہ کیجئے: معجم لغۃ الفقہاء، مادہ غبن۔

۱۴۔ بدائع الصنائع، ۶/ ۲۷

المجلہ، دفعہ نمبر ۱۴۹۴

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ الشرح الکبیر ۱/ ۳۵۴

مغنی المحتاج ۲۲/ ۳۲۴

بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۹۸

۱۷۔ بدائع الصنائع، ۶/ ۲۹

الانصاف للمرداوی ۵/ ۳۹۳

الشرح الکبیر ۳/ ۳۸۱

۱۸۔ شرح فتح القدیر، ج ۷، ص ۲۵

۱۹۔ الشرح الصغیر ۳/ ۵۱۰، حاشیہ الدسوقی، ۳/ ۳۸۲ تا ۳۸۳

۲۰۔ المجموع شرح المہذب، ج ۱۴، ص ۱۳۹

۲۱۔ تبیین الحقائق، ج ۴، ص ۲۶۱

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ تبیین الحقائق، ج ۴، ص ۲۶۵

۲۴۔ ایضاً۔

الشرح الصغیر ۳/ ۵۰۷

الانصاف ۵/ ۳۸۷

المدونۃ الکبریٰ ۱/ ۸۴

۲۵۔ الفقہ الإسلامی وادلتہ، ج ۴، ص ۱۶۰

۲۶۔ الفقہ الإسلامی وادلتہ، ج ۴، ص ۱۶۰

بدائع الصنائع ۶/ ۲۵

الشرح الکبیر، ۳/ ۳۸۸

مغنی المحتاج ۲، ۲۲۶، المغنی، ۸/ ۸۱

۲۷۔ نفس المرجع۔

۲۸۔ نفس المرجع۔

۲۹۔ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، ج ۳، ص ۹۴

۳۰۔ فتاوی عالمگیریہ، ج ۳، ص ۶۰۳

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ شرح المجلۃ، ج ۴، ص ۹۵

۳۳۔ شراکت (Partnership) چند لوگوں کا مال خلط کرنے کو شراکت کہتے ہیں لیکن بعد میں اس کا اطلاق اس معاہدہ پر بھی ہوا کہ جس میں اختلاف مال بھی نہ پایا جائے، شراکت کی کئی قسمیں ہیں۔

شرکت مفاوضہ (General Partnership): اس سے مراد وہ شراکت ہے کہ جس میں شرکاء کا مال، تصرف اور قرض کے حوالے سے مساوی حیثیت رکھتے ہوں اور اس میں تصرف کے لحاظ سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہو۔ اور مترتبہ حقوق کے لحاظ سے ہر ایک دوسرے کا کفیل بھی ہو۔

۔ شرکۃ عنان: شرکۃ عنان سے مراد یہ ہے کہ شرکاء مال میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں لیکن منافع میں مساوی حیثیت نہیں رکھتے یا مال میں تو مساوی حیثیت نہیں رکھتے البتہ منافع میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یا یہ کہ دونوں میں مال اور منافع میں مساوی حیثیت نہ رکھتے ہوں۔

۔ شرکۃ الوجوہ: اس قسم کی شراکت میں شراکت مال نہیں ہوتی بلکہ دو صاحب رسوخ لوگ بغیر مال کے شراکت کا معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے اثر، رسوخ کو استعمال کر کے مال خرید لیں

گے کیونکہ لوگ ان پر اعتماد کرتے ہیں اور پھر وہ فروخت کر کے منافع میں شریک ہو جاتے ہیں۔
مزید تفصیل کے لئے: معجم لغۃ الفقہاء مادہ الشرکۃ۔

۳۴۔ مضاربت: مضاربت سے مراد جانبین کے درمیان ایسا عقد (Contract) ہے کہ ایک جانب مال دیتا ہے جو کہ مالک ہوتا ہے اور دوسری جانب منافع کے ایک معلوم مثلاً آدھا، تہائی وغیرہ پر اس مال میں شرائط مخصوصہ کے ساتھ تجارت کرتا ہے۔
ملاحظہ کیجئے: کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ۳، ص ۳۴

۳۵۔ فتاوی عالمگیریہ، ۳/ ۶۰۵

۳۶۔ ایضا

۳۷۔ سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود۔

۳۸۔ بدائع ۶/ ۲۱
الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۸۱

۳۹۔ سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم علی الثیب۔

۴۰۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۸۱

۴۱۔ ایضاً۔

۴۲۔ الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ۳، ص ۲۳۲

۴۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۸۲

۴۴۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۲۱
الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۸۲

۴۵۔ الفقہ الاسلامی وأدلتہ، ج ۵، ص ۸۲

۴۶۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۲۱
المبسوط، ج ۱۹، ص ۱۰۶
الفقہ الاسلامی وأدلتہ، ج ۵، ص ۸۳

۴۷۔ بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۲۲۶

۴۸۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۸۳

مصادر و مراجع

- ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، شرح فتح القدیر (بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۸)
- ابن رشد، ابو الولید محمد بن أحمد بن رشد، بدایۃ المجتہد، (لاہور، فاران اکیڈمی، س ن)
- الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ، جامع الترمذی (دہلی، نور محمد، أصح المطابع س ن)۔
- تنزیل الرحمان، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۴ء)
- الجزیری، عبدالرحمان، کتاب الفقہ علی مذاہب الأربعہ (بیروت، داراحیاء التراث العربی، س ن)
- الحطاب، ابو عبداللہ محمد بن بن عبدلرحمان الطرابلسی، مواھب الجلیل، شرح مختصر خلیل (طرابلس مکتبہ النجاح، س ن)
- الدردیر، احمد الدردیر، الشرح الکبیر علی مختصر الخلیل، بہامش حاشیۃ الدسوقی۔ (بیروت، دار الفکر المعاصر، ۲۰۰۲ء)
- سانو قطب مصطفیٰ، دکتور، معجم مصطلحات اصول الفقہ (بیروت، دار الفکر المعاصر، ۲۰۰۲ء)
- السرخسی، شمس الدین، ابی بکر محمد بن احمد شمس الدین، المبسوط (کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۱۹۸۷ء)۔
- الشربینی، الشیخ محمد الشربینی، مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی المنہاج، (بیروت، دار الفکر س ن)۔
- فتاوی قاضیخان (کوئٹہ، بلوچستان بک ڈپو، ۱۹۸۵)۔
- الکاسانی، علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (کوئٹہ، المکتبہ الحسبیہ، ۱۹۸۹)
- اللبنانی، سلیم بن رستم باز، (شرح مجلۃ الأحکام العدلیہ، المکتبۃ الأدبیۃ، بیروت)۔
- المسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، مدینہ پریس بجنور ہند، س ن۔
- مجمع العلماء فی عہد اورنگزیب، الفتاوی الہندیہ (لاہور، ادارہ نشریات اسلام، س ن)۔
- مالک بن انس، الامام، المدونۃ الکبریٰ (بیروت، دار الفکر، س ن)
- المرداوی، علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان، الانصاف، (القاہرۃ، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، س ن)
- وہبہ زحیلی، دکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ (بیروت، دار الفکر ۱۹۸۴ء)۔